© rasailojaraid.com

اسلام کا تصور تعلیم

پروفیسر سید محمد سلیمؒ

مغرب کی لادینی اور مادی تہذیب کا آج کل غلبہ ہے۔ اس کے اثرات مسلمانوں پر بھی پڑے ہیں۔ مادی تہذیب میں تعلیم کا مفہوم مختلف علوم وفنون کی معلومات حاصل کرنا ہے۔ ان میں مہارت حاصل کرنا ہے۔ امتحانات پاس کر کے سندات حاصل کرنا ہے تاکہ کوئی اچھی سی نوکری، عمدہ سا روزگار مل سکے۔ جس کے بعد عیش و آرام سے زندگی بسر ہو۔ تعلیم دنیوی زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کا زینہ ہے اور کامیابی کا مفہوم مادی آرام و آسائش سے زیادہ نہیں ہے۔ ان کے یہاں زندگی کا تصور خالص مادی ہے، مگر اسلام کا تصور تعلیم مغربی تصور تعلیم سے بالکل مختلف ہے، اس لئے کہ اسلام کے نزدیک انسان کا اور زندگی کا تصور مغربی تصور سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام کے نزدیک انسان اصلاً ایک روحانی مخلوق ہے۔ مادی جسم اس کو اس لئے ملا ہے تاکہ روح اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کرسکے۔ انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ ساری مخلوقات میں اعلیٰ اور افضل ہے۔ کارِ خلافت کے فرائض انجام دینے کے لئے اس کو گوناگوں قسم کی صلاحیتوں نے نوازا ہے۔ جسمانی اور ذہنی بے شمار صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ مقصود انسان کا امتحان لینا ہے کہ انسان اپنے علم کو اپنے اختیار و ارادے کو، اپنی صلاحیتوں کو کس طریقے پر استعمال کرتا ہے۔ صلاح وخیر کی راہ میں یا شر وفساد کی راہ میں۔ اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرماں بردار بن کر رہتا ہے یا نافرمان بن کر رہتا ہے۔ کیا وہ اپنی صلاحیتوں کو تعمیری راہ میں صرف کرتا ہے، پرامن معاشرہ قائم کرتا ہے، عدل وانصاف پر مشتمل تہذیب پروان چڑھاتا ہے، حق پرستانہ تمدن قائم کرتا ہے۔ یہ ہے امتحان اس لئے یہ دنیا اور دنیاوی زندگی درحقیقت ایک امتحان گاہ ہے۔

تعلیم اسلام کے نزدیک انسان کے لئے اسی قدر ضروری ہے جس قدر خورد ونوش خوراک کے ذریعے انسان زندگی برقرار رکھتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے انسان حیوانیت کی سطح سے بلند ہوکر انسان کے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ تعلیم انسان کو بتاتی ہے کہ وہ نرا حیوان نہیں ہے بلکہ اشرف المخلوقات ہے۔ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ انسان کا کام صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مادی اور حیوانی دریا میں شناوری کرنا نہیں ہے، بلکہ انسان کا اول کام اخلاقی اور روحانی فضاؤں میں پرواز کرنا ہے۔ اسلام کے نزدیک زندگی گزارنا نہ تو کوئی مجبوری ہے اور نہ عیاشی ہے۔ بلکہ ایک امر حقیقت ہے۔ ایک امتحان سے گزرنا ہے۔ اس امتحان کا نتیجہ مرنے کے بعد دوسری دنیا میں سنایا جائے گا۔ اگر کامیابی ہوئی تو ہمیشہ کے لئے جنت، اگر ناکام ہوئے تو ہمیشہ کے لئے دوزخ۔ تصورِ خلافت کے تحت انسان کی اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ دنیا کی زندگی تو تیاری کی اور امتحان کی زندگی ہے۔ آخرت میں ہر قسم کا عیش ہے، ہر نوع کا آرام ہے۔

زندگی کا یہ تصور انسانی عقل کی پرواز سے ماوریٰ ہے۔ خوگر محسوسات عقل کی پرواز اتنی بلندی پر نہیں پہنچ سکتی۔ یہ علم خود خالق انسان اور خالق کائنات کا عطا کردہ ہے۔ وحی الٰہی کا عطیہ ہے۔ یہ وہ ہدایت الٰہی ہے جو انبیائے کرام کے ذریعے ادوار میں انسانوں کو ملتی رہی ہے۔ جس کو دوسری اقوام تو گم کر بیٹھیں۔ لیکن الحمدللہ مسلمانوں کے پاس یہ ہدایت مکمل شکل میں محفوظ ہے۔ یہ قرآن مجید سے اخذ کردہ معلومات ہیں، جو اس وقت دنیا میں ہدایت الٰہی کا آخری مکمل نسخہ ہے۔

اسلام کا نظام تعلیم دنیا میں انسان کو زندگی کا حقیقی مفہوم اور حقیقی مقصد بتاتا ہے۔ انسان کو خلافت کے امتحان کی تیاری کے لئے اسباب و وسائل فراہم کرتا ہے۔ آخرت میں کامیابی کے نقطہ نظر سے تیاری کے طریقے بتاتا ہے۔ زندگی کا مفہوم اور حقیقت بتانے والی ہدایتی تعلیم کو اسلام نے ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ یہ تعلیم فرض عین ہے۔ ہر فرد کے لئے اس کا جاننا ضروری ہے۔ یہ تعلیم خود مقصود بالذات ہے۔ یہ دوسرے کسی مقصد کے حصول کے لئے ذریعہ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ ہر مسلمان مرد ہو یا عورت، آزاد ہو غلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ضرور کچھ نہ کچھ قرآن جانے اور دینی مسائل سمجھے۔ (۱)

تعلیم وتربیت حاصل کرنا اسلام کے نزدیک کوئی کاروبار کوئی پیشہ نہیں ہے۔ بلکہ کارعبادت ہے۔ تعلیم وتدریس میں مشغول استاد اور شاگرد دونوں کارعبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور اجر وثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ طالب علم کی خوشنودی کے لئے اللہ کے فرشتے راہ چلتے وقت طالب علم کے روبرو اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ (۲)

خیر کی تعلیم دینے والے استاد کے حق میں ہر چیز مغفرت کی دعا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور بلوں میں رہنے وال چیونٹیاں بھی۔ (۳)

استاد اور شاگرد اجر وثواب میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ (۴)

یہ احادیث تعلیم کی اہمیت واضح کرتی ہیں۔ یہ تعلیم کسی دنیاوی مقصد کے حصول کے لئے نہیں ہے بلکہ آخرت میں کامیابی اور اجر وثواب کے لئے ہے۔ جو درحقیقت اصل زندگی ہے۔ اسلام کے نزدیک پہلے مرحلے پر یہ والدین کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو علم کے زیور سے آراستہ کریں۔ ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کریں۔ رسول اللہ صلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ والدین کا بہترین عطیہ اولاد کی صحیح تربیت کرنا ہے۔(۵)

بیٹے کا اپنے باپ پر یہ حق ہے کہ اس کا ایک اچھا سا نام رکھے، اس کو لکھنا پڑھنا سکھائے اور پھر شادی کرے۔(۶)

جب بچے سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو نماز کا حکم دو۔ دس سال کی عمر تک نماز نہ پڑھیں تو فہمائش، اور تادیب کرو۔ اوران کو جدا جدا بستروں پر سلاؤ۔(۷)

جو والد اپنے لڑکے کو قرآن مجید کی تعلیم دلاتا ہے، قیامت کے روز جنت میں اس کو ایک تاج پہنایا جائے گا۔

والدین کے بعد یہ ذمے داری اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست پر عائد ہوتی ہے کہ وہ مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے ہر قسم کی سہولت فراہم کرے۔ ملک میں مکاتب اور مدارس کا جال پھیلا دے۔ اس وسعت کے ساتھ پھیلائے کہ کوئی مسلمان اپنی تعلیم حاصل کرنے سے محروم نہ رہ جائے۔ اور اگر مسلمان معاشرہ اور مسلمان ریاست اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہ دست رہیں اور مسلمان عوام کو مطلوبہ سہولتیں میسر نہ آسکیں تو معاشرہ اور ریاست دونوں قابل مواخذہ ہیں۔ دونوں کو روز حساب جواب دہی کرنی ہوگی۔ واضح رہے کہ اسلام کے نزدیک تعلیم وتربیت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کے کئی اجزا ہیں۔

۱- تدریس: کتابوں کے ذریعے علم سکھانا۔

۲- تربیت: گفتار، کردار اور اطوار کو علم کے مطابق استوار کرنا۔ افکار وتصورات کو اسلامی مزاج کے سانچے میں ڈھالنا۔

۳- تادیب: آداب زندگی اور اقدار حیات کی پابندی کرانا۔ نافرمانی پر سرزنش کرنا۔

۴- تدریب: علوم وفنون میں مشق ومہارت حاصل کرنا۔ نیک کرداری اور خوش گفتاری کی عادت ڈالنا۔

۵- تلقین: وعظ ونصیحت سے عوام الناس کو دین واخلاق کی تعلیم دینا۔

۶- امر بالمعروف: معاشرے میں کوشش کرنا کہ نیکیوں کو فروغ ہو اور برائیاں ختم ہوں۔

ایک مسلمان ساری زندگی سیکھتا بھی رہتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا بھی رہتا ہے۔ معلم بھی بنا رہتا ہے اور متعلم بھی بنا رہتا ہے۔ ساری زندگی ایک درس گاہ ہے۔ ایک مسلمان کی زندگی گہوارے سے لے کر گور تک علم کی تحصیل میں مصروف رہتی ہے۔

واضح رہے کہ تعلیم بس اسی قدر نہیں ہے کہ استاد شاگرد کو کتاب پڑھائے۔ بلکہ کتاب پڑھانا، اخلاق سنوارنا، اخلاق حسنہ سے آراستہ کرنا اور اخلاق مذمومہ سے دور رکھنا۔ گفتار وکردار کے آداب سکھانا۔ نیکیاں پھیلانا برائیوں کو دبانا۔ انسانوں سے ہمدردی اور محبت کا جذبہ پروان چڑھانا۔ سب تعلیم وتربیت کا حصہ ہیں۔ دراصل اسلام کے نزدیک سارا معاشرہ اور ساری زندگی ایک درس گاہ ہے، جس میں بزرگ اور سن رسیدہ معلم ہیں، استاد ہیں۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اپنے چھوٹوں کو تعلیم دیتے رہتے ہیں۔ سکھاتے رہتے، سنوارتے رہتے ہیں۔ جس میں ذرائع ابلاغ اخبارات، رسالے، ریڈیو، ٹی وی تعلیم دیتے رہتے ہیں۔ جس میں اجتماعات وعظ، جلسے، کانفرنسیں سب تعلیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے رہتے ہیں۔ یہ تعلیم زبان سے بھی ہے۔ عمل سے بھی ہے، نظر سے بھی ہے، دیکھنے سے بھی ہے۔ سننے سے بھی ہے۔ اس وسیع تر دائرۂ تعلیم میں، اس ہمہ وقت اور ہمہ جہت درس گاہ میں، معاشرے کا ایک ایک فرد استاد ہے اور ایک ایک فرد شاگرد ہے۔ اب ذرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پر غور کیجئے۔

خیر کی تعلیم دینے والے استاد کے حق میں دنیا کی ہر چیز مغفرت کی دعا کرتی رہتی ہے۔ یہاں ''خیر کی تعلیم دینے والے'' کے الفاظ خصوصی توجہ کے لائق ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ہمہ وقت درس گاہ میں چند لوگ خیر کی تعلیم دے رہے ہیں اور چند دوسرے لوگ شر کی تعلیم دے رہے ہیں۔ مغفرت کی دعا صرف ان کے حق میں کی جاتی ہے اور جو شر کی تعلیم دے رہے ہیں ان کا سخت ترین مواخذہ ہوگا۔ سخت گرفت ہوگی۔ اب ہر مسلمان۔ مرد اور عورت۔ سوچے کہ اس کا مقام کہاں ہے۔

اسلام کا نظریۂ تعلیم:

علم کے معنٰی معلومات اور مدرکات کے ہیں۔ تعلیم کا لغوی مفہوم معلومات بہم پہنچانا اور علم سے مستفید کرنا ہے۔ ایک درزی جو اپنے شاگرد کو کاج بٹن بنانا سکھاتا ہے۔ یا ایک موچی جو اپنے لڑکے کو جوتا گانٹھنا سکھاتا ہے، وہ دونوں تعلیم دے رہے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں تعلیم محض سیکھنے سکھانے کا نام نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت یہ ایک معاشرتی عمل ہے۔ معاشرہ جس طرح سے افزائش نسل کی صورت میں اپنا وجودی تسلسل جاری رکھتا ہے۔ اسی طرح وہ تعلیم کے ذریعے اپنا فکری اور ثقافتی تسلسل بھی جاری رکھتا ہے۔

تعلیم کے ذریعے معاشرہ نوخیز نسلوں کو وہ معلومات فراہم کر دینا چاہتا ہے، جو اس کے اسلاف کا جمع کردہ بیش قیمت فکری اندوختہ ہے۔ جس پر اس معاشرے کی اعتقادی اور معاشرتی بنیادیں استوار ہیں۔ وہ نئی نسلوں کو اس طرز حیات سے متعارف کرانا چاہتا ہے جو اس کے اعتقاد میں سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ طریقہ ہے۔ تعلیم کے ذریعے معاشرہ اپنے عقائد، نظریات، اقدارِ حیات اور تہذیبی روایات و ادارات اپنی نوخیز نسلوں کو منتقل کرتا ہے۔ اور پھر بجا طور پر ان سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اس قومی سرمائے کو پروان چڑھائیں گے اور اس میں اضافہ کریں گے۔ فکری اور تہذیبی ورثے کے عمل انتقال کا نام تعلیم ہے۔

نظریہ تعلیم کی جڑیں معاشرے کے عقائد اور تصورِ حیات میں پیوست ہوتی ہیں۔ معاشرے کے مزعومات اور تصورات سے قومی نظریہ ابھرتا ہے۔ نظریۂ حیات کے تناور درخت سے قومی تعلیم کی شاخ پھوٹتی ہے۔ قومی تعلیم کا نظریہ قوم کا ساختہ پرداختہ ہوتا ہے۔

اسلام کے نظام حیات کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ یہ نہ عربوں کے مزعومات اور تصورات سے پیدا ہوا ہے اور نہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضع کردہ ہے۔ یہ دین حیات ہے اور اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وحی کے ذریعے یہ دین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ انہوں نے اس دین کو، اس نظام حیات کو سر زمین عرب میں پھیلایا۔

جس طرح ایک معمار اپنے نقطۂ نظر سے ایک ایک پتھر گھڑتا ہے، پھر ان سے محل تعمیر کرتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ایک ایک فرد کو مسلمان بنایا، تعلیم کے ذریعے اس کے دل و دماغ کو اور انداز فکر و نظر کو بدلا اور تربیت کے ذریعے اس کے اخلاق و کردار کو نئے سانچے میں ڈھالا۔ ایسے تربیت یافتہ صالح افراد پر مشتمل ایک معاشرہ تشکیل دیا۔ اس صالح معاشرے نے ایک جدید طرز کی ریاست ''خلافت'' قائم کی۔ اس ریاست نے امن و راحت اور عدل اجتماعی کا خلافتی نظام قائم کیا اور اخلاقی اور روحانی قدروں کو فروغ دیا۔ اس فلاحی معاشرے کی وسعت پذیری نے پہلے سارے عرب کو اور پھر ایک عالم کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔ رحمت الٰہی کے فیضان سے ساری دنیا مستفید ہوئی۔

اسلام کا نظام حیات قرآنی تعلیمات کا پیدا کردہ ہے۔ یہ کوتاہ نظر، بندۂ اغراض فانی انسانوں کا وضع کردہ نہیں ہے۔ بلکہ ہمہ دان، ہمہ بیں، حی و قیوم خداوند اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ انسانوں کا وضع کردہ نظاموں کی تنگ دامانی اور یک رُخا پن اس کے اندر نہیں پایا جاتا۔ ابدی اور عالمگیر حقائق پر اس کی اساس ہے۔ اس کا دائرہ کار ہمہ گیر اور دائمی ہے۔ ہر دور اور ہر ملک کے انسانوں کے لئے یہ یکساں قابل عمل ہے۔ انسانوں کے تمام تقاضے طبعی، معاشرتی اور اخلاقی، انفرادی اور اجتماعی یہ نظام پورے کرتا ہے۔ سارے جہان کے انسانوں کی فلاح و بہبود اس نظام سے وابستہ ہے۔ یہ واحد صراط مستقیم ہے اور باقی سب راہیں ضلال ہیں۔

اسلام کے نظام حیات کی ایک شاخ اسلامی نظام تعلیم ہے۔ جو قرآن مجید کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ یہ کسی انسانی ذہن کا ساختہ و پرداختہ نہیں۔ یہ بھی زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔ اس کا دائرۂ عمل بھی آفاقی ہے۔ یہ وطنی، علاقائی اور گروہی تعصبات اور تحدیدات سے پاک ہے۔ شجر اسلام کے زیر سایہ بسنے والی مختلف اقوام طبقات اور گروہوں کے لئے یکساں مطلوب ہے۔ یہ سب کے لئے یکساں قابل عمل ہے۔

ہر نظام تعلیم کا ایک ہدف ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ایک معیاری انسان ہوتا ہے۔ جس کے اخلاق اور کردار کی جھلک معاشرہ نوخیز نسل کے ہر فرد کے اندر جلوہ گر دیکھنا چاہتا ہے۔ افکار، اخلاق اور کردار کا ایک معیار مطلوب ہے جس کو وہ ہر تعلیم یافتہ فرد کے اندر دیکھنے کا متمنی ہوتا ہے۔ اسلامی نظام تعلیم کا انسان مطلوب ''خلیفۃ فی الارض'' ہے۔ اسلام خلیفۃ اللہ کے اوصاف اور خصائص ہر انسان کے اندر جلوہ گر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خلیفۃ اللہ کے اوصاف قرآن پاک سے معلوم کئے جائیں۔

عالم بالا میں انسان کی تخلیق کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے درمیان اعلان کیا تھا کہ ﴿انی جاعل فی الارض خلیفۃ﴾ (۸) ''میں زمین پر ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں''۔ اس آیت نے تصریح کر دی ہے کہ انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ حیثیت خلیفہ کے مطلوب و مقصود ہے۔ خلیفہ نائب کو کہتے ہیں جو مالک سے ہدایات پا کر امور سر انجام دیتا ہے۔ کائنات میں تمام اشیا مجبور محض ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابند ہیں۔ اس کائنات میں انسان وہ واحد ہستی ہے جو خود مختار ہے اور آزاد ہے، جو اپنی خواہش اور اپنے ارادے پر عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ خلیفہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان رضا کارانہ اپنی خواہش سے اور اپنے ارادے سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری اختیار کرے۔ خلیفہ کا لفظ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ انسان مطلقاً خود مختار اور آزاد نہیں ہے بلکہ اس کے اختیارات اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں سے محدود ہیں۔ یہ تحدید بھی انسان کی بہتری کے لئے ہی ہے۔ یہ انسانی قوتوں کی بدراہی اور انتشار سے بچانے کے لئے ضروری ہے۔ مطلوب یہ ہے کہ انسان دنیا میں باوجود خود مختار اور آزاد ہونے کے ذمے دار، فرماں بردار اور با اخلاق فرد کا کردار ادا کرے۔ اپنی گونا گوں صلاحیتوں کو ہدایت الٰہی کی رہنمائی میں صحیح خطوط پروان چڑھائے، اس طرح اپنے مالک کی رضا حاصل کرے، ان کو ضائع نہ کر دے، نہ انتشار کی نذر کر دے۔ جس کے نتیجے میں مالک کی ناراضی حاصل ہوتی ہے۔

قرآن کی تعلیمات کے مطابق علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جہاں کہیں علم کی نمود موجود ہے، وہ سب عطیہ الٰہی ہے۔ دنیا میں آ کر فرائض خلافت انجام دینے کے لئے انسان کو علم کی ضرورت تھی۔ اس لئے اللہ نے اپنے خلیفہ کو دو قسم کے علوم سے نوازا ہے۔ علوم اسما اور علوم ہدایت۔

قرآن مجید بتاتا ہے کہ ازل میں وعلم ﴿ آدم الاسماء کلھا﴾ (۹) ''اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اسماء (نام) سکھا دیئے''۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ کائنات میں انسان کی افضلیت اور فرشتوں پر اس کی برتری کا راز اس کی استعداد علم اور اس کی عقل و فہم میں ہے۔ ان صفات کے اندر وہ پوری کائنات میں منفرد اور ممتاز ہے۔ اس آیت نے انسانی عقل و فہم کی حقیقت بیان کر دی ہے۔ نام سے مراد یہاں تصورات CONCEPT ہیں۔

واضح رہے کہ تصورات ہی وہ بنیادی اجزا ہیں جن سے مل کر تفکر، تدبر اور تجسس کی قوتیں تشکیل پاتی ہیں۔ ان کی ہی ترقی یافتہ شکل عقل و فہم ہیں۔ قرآن مجید میں تفکر و تدبر کی قوتوں کو پروان چڑھانے کی ہر طرح سے ہمت افزائی کرتا ہے۔ اس کے برخلاف توہم پرستی، خیال آرائی اور سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کی مذمت کرتا ہے۔ وہ حقیقت پسندانہ اور علمی اندازِ فکر اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ خود بھی دلیل سے بات کرتا ہے اور مخالفوں سے بھی دلیل طلب کرتا ہے۔

عقل و فہم کی قوت عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ ذریعہ اور وسیلہ فراہم کر دیا جس کے بل بوتے پر انسان نے اپنے گرد و پیش کی دنیا پر غور و خوض کیا، اشیا کی صفات اور خواص معلوم کئے، ان کو مسخر کیا اور پھر ان کو اپنے تصور میں لے آیا۔ ہزاروں سال سے نوع انسانی کے افراد اپنے دائرہ کار میں فطرت کی قوتوں کو مسخر کرنے اور تصرف میں لانے میں مصروف ہیں۔ صدیوں کی اجتماعی کوشش کا ثمرہ علوم و فنون کا وہ انتہائی عظیم الشان ذخیرہ ہے جس نے انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمزور بنیان کو غیر معمولی قوت قاہرہ عطا کر دی ہے۔

انسان کی فطرت میں ایک جذبۂ تحسین وتزئین حیات کا موجود ہے۔ وہ ہر دم بہ سے بہتر اور بہتر سے بہترین کی تلاش میں سرگرم عمل رہتا ہے۔ مسخر شدہ فطرت کی قوتوں انسان نے تحسین اور تزئین حیات کے لئے استعمال کرنا شروع کیا تو تہذیب وتمدن اور حضارت وثقافت وجود میں آگئیں۔ معاشرتی اور تمدنی آسائشیں اور سہولتیں پیدا ہوگئیں۔ راحت وآرام عیش ولذت کے غیر معمولی وسائل مہیا ہوگئے۔ عقل انسانی کی یہ تمام فتوحات فی الحقیقت ''علم اسماء'' کی تفسیریں ہیں۔

اپنا خلیفہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو دنیا میں بھیجا تو یہاں اس کا سابقہ کئی قسم کی مخلوق سے پڑا۔ پہلا دائرہ انسان کے گرد مادی اشیا کا ہے۔ مادی اشیا کی حقیقت انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل کے ذریعے سے معلوم کرسکتا ہے، ان کو مسخر کرسکتا ہے اور ان میں تصرف کرسکتا ہے۔ اس میدان میں انسان کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

دوسرا دائرہ انسان کے گرد غیر مادی اشیا یعنی انسان کا ہے۔ انسان کا واسطہ ہر دم دوسرے انسانوں سے پڑتا ہے۔ انسانی ذہن کی ساخت مادی قوانین سے بالکل مختلف ہے۔ عقل نے اگرچہ اس دائرے میں بھی پیش قدمی دکھائی ہے۔ یہاں بھی معلومات کا قابل قدر ذخیرہ جمع کیا ہے لیکن افراد اور اقوام کی ذہنی کارکردگی، رجحانات اور خصائص معلوم کرنے میں عقل کو وہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی جو اس نے عالم طبیعی میں حاصل کی ہے۔ یہاں اس کے فیصلے، اندازے اور نظریئے بسا اوقات غلط ثابت ہوتے ہیں۔ دو مختلف نظریات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے لئے اس کے پاس کوئی کسوٹی موجود نہیں ہوتی۔ پھر عالم انسانیت کے ماوریٰ ایک اور عالم بھی ہے۔ یہ غیب کی دنیا ہے۔ اس کی حقیقت معلوم کرنے سے تو عقل بالکل عاجز ہے۔ حالانکہ اس عالم کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ انسان کی حقیقت جانے بغیر زندگی کا کوئی لائحہ عمل تجویز نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کی ابتدا اس کی انتہا اس کی غایت وجود کا پہلے سے علم حاصل ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اس کی روشنی میں مستقبل کی صورت گری کی جاسکے، مگر یہ سب عالم غیب ہے۔ عقل کی دسترس سے باہر ہے۔ مختصراً یہ کہ عقل کا آلہ عالم مادی میں تو خوب کارگر ہے۔ عالم انسانیت بھی ایک حد تک مفید ہے، لیکن عالم مغیبات میں بالکل ناکام ہے۔

عقل کے اس بنیادی نقص کا ازالہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے طریقے سے فرما دیا۔ انسان کی حقیقت، اس کی غایت تخلیق اور عالم غیب سے متعلق اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی کے غیر معمولی ذریعہ علم سے چند برگزیدہ انسانوں کو مہیا فرما دیں، تاکہ وہ اپنی اپنی امتوں میں ان معلومات کو عام کردیں۔ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اپنے خلیفہ کو زمین پر روانہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت فرمائی تھی: ﴿اهبطوا منها جميعا فاما ياتينكم منى هدى فمن تبع هداى فلاخوف عليهم ولاهم يحزنون ○﴾ (۱۰)

تم سب جا کر زمین پر رہو۔ جب بھی میری جانب سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے اور تم نے اس ہدایت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیروی کی تو تم پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کبھی غم ہوگا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے علم ہدایت کی ضرورت اور اہمیت واضح کی ہے۔ پہلی بات اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ زمین پر کار خلافت انجام دینے کے لئے تنہا علم (مادی علوم۔ عقل) کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے ایک دوسری نوعیت کے علم، علم ہدایت کی بھی ضرورت ہے۔

دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ علم ہدایت کی پیروی کے بعد ہی معاشرہ، رنج وغم اور حزن و ملال سے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے۔ معاشرے میں عدل وانصاف، خوشحالی اور فارغ البالی، راحت وسکون صرف ہدایت الٰہیہ کی پیروی کے بعد ہی مل سکتا ہے۔ علم ہدایت سے بے نیاز معاشرے میں نہ تو عدل وانصاف ہوگا اور نہ راحت وسکون۔

تیسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ علم ہدایت مہیا کرنے کی ذمے داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے۔ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ اپنے ہادی اور رسول مختلف قوموں میں بھیجتا رہے گا۔ اس طرح انسانوں کو ہدایت ملتی رہے گی۔

چوتھی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ علم اسماء کی تعلیم حضرت آدمؑ کو ازل میں دی گئی تھی اور ہدایت کی تعلیم دنیا میں آکر دی گئی۔ اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ اکتساب علم اور تفکر کی قوتیں انسان کی فطرت میں ودیعت کردی گئی ہیں۔ لیکن ہدایت کا علم فطرت میں ودیعت نہیں ہے۔ بلکہ ظاہری طریقے پر رسولوں سے حاصل کرنا ہوگا۔ رسولوں کی تعلیمات کے باہر علم ہدایت حاصل نہیں ہوسکتا۔

پانچویں بات ضمناً یہ بھی معلوم ہوئی کہ علم اسما نا کافی ہے۔ اس کی تکمیل علم وحی سے ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں عقل انسانی کا صحیح مقام وحی الٰہی کے تحت ہے۔ وحی الٰہی اور علوم ہدایت سے بے نیاز ہوکر عقل انسانی کی جولانی طبع ممکن ہے آسمان کے تارے توڑ لائے۔ مگر معاشرے سے نہ رنج وغم دور کرسکتی ہے اور نہ اس کو راحت وسکون سے ہم کنار کرسکتی ہے۔ علوم مادی اور علم عمرانی کی رہنمائی کے لئے علوم ہدایت کی اشد ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت رسولوں کے ذریعے مختلف زمانوں میں انسانوں کے پاس بھیجی ہے۔ وہ دو قسم کی ہے:

ایک عمومی ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں آیا ہے۔ ﴿ولکل قوم ھاد﴾ (۱۱) ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے۔ ﴿ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر﴾ (۱۲) کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں انسانوں کی راہ نمائی اور اصلاح کے لئے ہر قوم اور ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور رسول آتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہر قوم کو پہنچتی رہی ہے۔ ہدایت کی دوسری قسم خاص ہے۔ یہ امامت کبریٰ اور شہادت علی الناس کا منصب ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں آیا ہے۔ ﴿انی جاعلک للناس اماما﴾ (۱۳) (ابراہیم) میں تجھ کو انسانوں کے لئے امام (مقتدیٰ) بنانے والا ہوں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر دور میں ایک خاص نبی یعنی اس کی قوم کو ہدایت الٰہی کا مشعل بردار بنایا جاتا ہے۔ وہ دنیا میں ہدایت کا عملی نمونہ بن کر شہادت حق کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اقوام عالم کے لئے وہ ایک اسوہ اور نمونہ ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہدایت الٰہیہ اس کے پاس محفوظ رہتی ہے۔

انسانوں نے حسن اعمال، حسن اخلاق، خیر وفلاح، نیکی اور بھلائی کی ساری تعلیم انبیائے کرام علیہم السلام سے حاصل کی ہے۔علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

اگر سلسلہ نبوت (ہدایت الٰہی) نہ ہوتا تو دنیا میں کوئی علم نافع نہ ہوتا۔ نہ خیر کے کام ہوتے نہ معاش میں بہتری ہوتی، نہ مملکت قیام ہوتا۔ انسان بھی جانوروں، درندوں اور خون خوار کتوں کی طرح ہوتے جو ہر دم ایک دوسرے پر بھونکتے رہتے ہیں۔ دنیا میں ہر قسم کی بھلائی انبیائے کرام کی تعلیمات کا ثمرہ ہے۔اور ہر قسم کی خرابی جو رونما ہو رہی ہے یا ہو چکی ہے۔وہ سب انبیائے کرام کی تعلیمات کو فراموش کر دینے کا نتیجہ ہے۔ دنیا ایک جسم کی مانند ہے جس کی روح نبوت (ہدایت الٰہی) ہے۔جسم کی بقا روح کے بغیر ممکن نہیں ہے۔(۱۴) بعض مغربی مصنفین بھی اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ خیر وفلاح ہے، اس کی اصل اور بنیاد انبیائے کرام کی تعلیمات ہیں۔ ایمرے ریوز لکھتا ہے:

اگر حضرت موسیٰ کے احکام عشر تورات میں موجود نہ ہوتے تو انگریز دستور میگنا کارٹا (۱۲۱۵ء) میں وجود میں نہ آتا۔ اور اگر میگنا کارٹا نہ ہوتا تو دوسرا انگریزی دستور قانون حقوق (۱۶۸۴ء) بھی وجود میں نہ آتا، اور اگر قانون حقوق نہ ہوتا تو پھر اقوام متحدہ کا چارٹر بھی وجود میں نہ آتا۔

آثار قدیمہ کی کھدائی میں اشیاء، برتن، کھنڈرات، مادی چیزیں ملیں، جن سے اس زمانے کی مادی ترقی کا حال معلوم ہو گیا۔ علم طبقات الارض کے ماہرین کو چٹانوں، متحجر Fossils ڈھانچے تو ملے۔ ہدایت نہ ملی لیکن ہدایت کی کار فرمائی غیر مادی تھی، وہ دست یاب نہ ہو سکی۔ اس لئے مغرب کی لادین ذہنیت نے قدیم تہذیبوں کی تاریخ مرتب کرتے وقت ہدایت الٰہی کا ذکر ہی نہیں کیا۔ گویا اس کا وجود ہی نہیں تھا۔

انسان کی تمدنی ترقی کی چار طویل المیعاد ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ علم بشریت، علم آثار قدیمہ اور تاریخ سے واضح ہوتا ہے۔ پہلا دور گلہ بانی اور خانہ بدوشی کا ہے۔ دوسرا دور آغا تمدن وحضارت کا ہے۔ تیسرا دور تہذیب وتمدن کے عروج اور ترقی کا ہے۔ چوتھا دور بین الاقوامی تعلقات اور سائنس کے غلبے کا ہے۔ انسانی عقل وفہم کی یہ طویل ارتقائی داستان ہے۔ ہر نئے دور کے آغاز پر اللہ تعالیٰ نے ایک جلیل القدر رسول کو ہدایت الٰہی کا علم بردار بنا کر مبعوث فرمایا۔ تا کہ کاروان حیات نے عقل وفہم کی جو فتوحات کی ہوں، ان کی ہدایت الٰہی کی روشنی میں اصلاح کی جائے۔ جدید تمدن اور جدید معاشرے میں حق وصداقت اور خیر وفلاح کی روح پھونک دی جائے۔ تا کہ تمدنی فتوحات کی ترنگ میں انسان فرائض خلافت ادا کرنے سے غافل نہ ہو جائے اور گمراہی میں نہ بھٹکے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿ان اللہ اصطفی ادم ونوحا وال ابراھیم وال عمران علی العلمین O ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم O﴾ (۱۵) چن لیا اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو، نوحؑ کو،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابراہیم کواور آل عمران کوتمام اقوام عالم پر۔ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور بنی اسرائیل کی امامت کبریٰ کا ذکر ہے۔

امت محمدیہ کا ذکر ایک دوسری آیت میں آیا ہے۔﴿وکذلک جعلنکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا ○﴾(۱۶) اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنادیا ہے تاکہ گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔

حضرت آدم علیہ السلام اپنی امت یعنی اپنی ذریات کے لئے نبی تھے۔وہ ان کو ہدایت کرتے رہے۔اس حال میں سیکڑوں صدیاں اور ہزاروں نسلیں گزر گئیں۔پھر انسان نے خانہ بدوشی اور گلہ بانی ترک کردی اور تمدن وحضارت کا آغاز کیا۔کاروان حیات نے ایک نیا موڑ موڑا۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔امامت کبریٰ کا منصب ان کو عطا ہوا۔انسانوں کی ہدایت کا کام ان سے وابستہ ہوا۔اس دور میں تحریر ایجاد نہیں ہوئی تھی۔اس لئے ہدایت الٰہی کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ ہادی ہی کو غیر معمولی طور پر طویل عمر عطا کردی گئی۔حضرت نوح علیہ السلام ایک ہزار سال سے زائد عرصے تک تبلیغ وارشاد کے فرائض انجام دیتے رہے اور ایک ہزار سال تک شمع ہدایت کے علم بردار بنے رہے۔

تمدن وحضارت نے پھر ذرا تیز رفتاری سے ترقی کی۔بابل، مصر، یونان وغیرہ نے تمدن وحضارت، علوم وفنون آئین وآداب کو اوج ترقی پر پہنچادیا۔اس دور کے لئے امامت کبریٰ کا منصب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اولادِ ابراہیم یعنی بنی اسرائیل کو تفویض ہوا۔ہدایت کو محفوظ رکھنے کا یہاں نیا طریقہ اختیار کیا گیا۔اس دور میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جب بنی اسرائیل میں کوئی نبی موجود نہ رہا ہو، بلکہ بعض مرتبہ تو بہ یک وقت دو دو اور تین تین انبیا شمع ہدایت کے علم بردار موجود رہتے تھے۔مزید برآں جب بھی تمدن وحضارت نے کوئی نیا رخ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نئے ہدایت نامہ سے سرفراز فرمایا۔صحف ابراہیمؑ، توراتِ موسیٰؑ، زبور داؤدؑ اور انجیل مسیح اس قوم پر نازل شدہ مختلف کتابیں ہیں۔دو ڈھائی ہزار سال تک یہ قوم امامت کبریٰ کے منصب پر فائز رہی۔

اس مختصر سے جائزے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ انعام عقل وتدبر کو استعمال کرکے انسان بہ تدریج تہذیب وتمدن اور علوم وفنون میں ترقی کرتا رہا۔نئے نئے تجربات اور نئی نئی راہیں نکالتا رہا۔جب اس نے نیا موڑ اختیار کیا تو فکری بے راہ روی اور عملی بدراہی نے انسانوں کو گم راہی کے راستے پر ڈالا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی۔اس نے نئے ہادی اور نئے ہدایت نامے سے انسانوں کو نوازا۔ان ہادیوں نے علوم اسما کی تخلیقات، تحقیقات اور انکشافات کو ہدایت الٰہی کے تحت لانے کی کوشش کی۔ہدایت الٰہی نے انسانوں کے ہاتھوں میں صحیح و غلط، حلال وحرام، جائز وناجائز کا پیمانہ اور کسوٹی دے دی۔ہدایت الٰہی نے ہر دور کے تہذیب وتمدن میں خوفِ خدا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقویٰ اور اخلاق کی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ ہدایت الٰہی پر ہر دور کے مادی ترقی کے نشے میں بھٹکے ہوئے انسانوں کو اخلاقی اور روحانی رُخ عطا کرتی رہی، تا کہ بھٹکی ہوئی انسانیت اپنے بنیادی فریضۂ خلافت سے غفلت نہ برتے۔ انہوں نے کوشش کی کہ معاشرے میں حقیقی معنوں میں عدل وانصاف قائم ہو۔ اور لوگ راحت وسکون سے بہرہ مند ہوں۔ مادی فانی دنیا میں منہمک ہو کر انسان آخرت کی باقی رہنے والی دنیا کو فراموش نہ کر دے۔ یہ بات مشہور عوام ہے کہ تہذیب وتمدن نے دنیا میں ایک خاص خطے میں وادی دجلہ وفرات اور وادی نیل میں ترقی کی ہے۔ تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کی شعاعیں وہاں سے سارے عالم میں پھیلی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امامت کبریٰ سے بھی اسی خط میں بسنے والی اقوام کو نوازا تا کہ بر سرزمین عقل کی شگفتہ کاری میں وہ ہدایت کی روح بھرتے رہیں۔

انسانی عقل جب بلوغت اور پختگی کو پہنچ گئی۔ کاروانِ حیات جب سب سے اہم موڑ مڑنے والا تھا۔ علوم میں سائنسی دور اور سیاست میں بین الاقوامی دور شروع ہونے والا تھا، تو اس دور کے آغاز پر اللہ تعالیٰ نے آخری ہادی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ امت محمدیہ کو امامت کبریٰ کے منصب پر فائز کیا۔ ہدایت الٰہی کی تکمیل کر دی۔ ہدایت کا آخری اور مکمل ایڈیشن قرآن مجید نازل فرما دیا۔ ہدایت کی تکمیل ہو جانے کے بعد اب مزید کسی ہدایت نامے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لئے آئندہ سلسلہ نبوت یعنی ارسال ہدایت ختم کر دیا گیا۔ اب یہ ہدایت قیامت تک کے لئے انسانوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ اس ہدایت نامے کو محفوظ اور موجود رکھنے کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ خود اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ قرآن مجید کی لفظاً اور معناً حفاظت کرے گا۔ الحمد للہ یہ اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے۔ ساری دنیا کے انسانوں کو ہدایت اب قرآن مجید سے ملے گی۔

قرآنی تعلیمات سے بے نیاز ہو کر کوئی بھی معاشرہ عدل وانصاف اور امن وسکون سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔ امامت کبریٰ کے منصب پر فائز محمدیہ کا اب یہ فرض ہے کہ وہ ہدایت الٰہی کا عملی نمونہ بن کر شہادت علی الناس کا حق ادا کرے۔ موجودہ دور کی ایجادات، انکشافات، اختراعات کی ہنگامہ خیزیوں میں تہذیب وتمدن اور ثقافت کو غلط روی اور گم راہی سے بچائے۔ سائنسی علوم میں خدا ترسی، خیر اندیشی اور عاقبت کوشی کی روح بھر دے۔ مغربی تہذیب کا رخ لادینیت سے پھیر کر حق پرستی کی طرف کر دے۔ ہوا وہوس میں غرق انسان کے اندر خلیفۃ اللہ ہونے کا شعور بیدا کر دے۔ باطل افکار ونظریات پر دین حق کو غالب کر دے۔ ﴿لیظهره علی الدین کله﴾ یہ ہے اسلامی حکمت حیات اور حکمت تاریخ کا خلاصہ۔

مذکورہ بالا قرآنی تشریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کو دنیا میں خلافت کے فرائض انجام دینے کے لئے دو قسم کی ضرورت ہے۔ اول علم ہدایت ہے جو آج قرآن کی تعلیمات سے حاصل ہو سکتی ہے۔ دوسرا علم اسماء ہے جو عقل انسانی کا فراہم کردہ ہے۔ قدیم علماء کی اصطلاح میں پہلی قسم کو منقولات کہتے ہیں اور دوسری قسم کو معقولات کہتے ہیں، علوم آلیہ۔ علوم زبان دانی کا شمار بھی معقولات میں ہوتا ہے۔ ان کو ہدایت علوم اور وضعی علوم کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اول روز سے اسلامی نصاب تعلیم منقولات اور معقولات سے مل کر تشکیل پاتا رہا ہے۔ (جاری ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علوم ہدایت ہیں کیا؟ قرآن مجید نے فرائض رسالت بیان کرتے وقت علوم ہدایت کی تفصیل بیان کردی ہے۔ رسول کی آمد کا اولین مقصد علوم ہدایت کی تعلیم دینا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مرکز ملت اور مرکز توحید خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھارہے تھے، اس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اہل عرب میں ایک نبی مبعوث فرمانے کی درخواست کی تھی۔ وہ فرماتے ہیں: ﴿ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتک ویعلمھم الکتب والحکمۃ ویزکیھم﴾ (۱۷) اے ہمارے رب! ان کے اندر ایک ایسا رسول بھیج جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، جو انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دے، جو ان کے نفس کا تزکیہ کرے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں علم ہدایت کے چار شعبے بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا شعبہ تلاوت قرآن مجید کا ہے۔ تلاوت کے مفہوم میں قرآن مجید کا ناظرہ اور بامعنی پڑھنا دونوں شامل ہیں۔ اس لئے قرآن مجید کا پڑھنا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے، خواہ اس کی مادری زبان عربی ہو یا نہ ہو۔ یہ اس لئے ہے کہ بہ حیثیت خلیفہ ہر مسلمان منشور ہدایت یعنی قرآن مجید کو بار بار پڑھتا رہے تاکہ اس سے عملی اور قلبی تعلق قائم رہے۔

دوسرا شعبہ کتاب الٰہی کی تعلیمات کا ہے۔ کتاب اللہ نے مسلمان کو منشائے خلافت کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے مختلف قسم کی ہدایات دی ہیں۔ وہ بنیادی خطوط (حدود اللہ) متعین کردیئے ہیں، جن کے اندر رہ کر ایک مسلمان معاشرہ کامیاب اور بامراد زندگی گزار سکتا ہے۔ عدل اجتماعی اور صلاح وفلاح کا معاشرتی نظام قائم کرسکتا ہے۔ ''نفس مطمئنہ'' اور ''حیات طیبہ'' کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوسکتا ہے۔ ''خیر امت'' کے مقام رفیع پر فائز ہوسکتا ہے۔

یہ ہدایات اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں جو علیم وخبیر ہے۔ اس لئے یہ عالم گیر ہیں اور دائمی ہیں۔ انسانی وضع کردہ قوانین کی طرح یہ ہردم متغیر نہیں ہیں۔ البتہ ضروریات زمانہ اور ہنگامیہ مسائل حل کرنے کی ان کے اندر گنجائش موجود ہے اور بنیادی اصول کے دائرہ کار کے اندر رہ کر اہل علم پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرسکتے ہیں۔ اس طرح اس کے اندر زمان و مکان سے سازگاری کے مواقع موجود ہیں۔ اسلامی قانون، استحکام Rigidity اور سازگاری Flexibility کا نادر امتزاج ہے۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com